ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

شاعرِ بت شکن مرزا غالب

THE IDOL BREAKER POET: MIRZA GHALIB

نثار علی: پی ایچ ڈی اسکالر
شعبہ اردو سرحد یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور پاکستان
نائلہ بی بی: ایم فل اسکالر
قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور
ناظمہ سلیم: ایم فل اسکالر
اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

Abstract

Mirza Asad Ullah Khan Ghalib is the biggest tradition breaker poet of his time. He spent about fifty or sixty years of his artistic life in contemplation, search, experience and acceptance? The new trends in life and thought, the new scope of expression, the height of ideas, the mood of the age to come are all reflected in Ghalib's words. He is a poet of life. The greatness of Ghalib is not only due to his ideas but also such rare pearls have been found from the bottom of this sea which on the one hand enriched Urdu poetry. On the other hand, Ghalib also got eternity. His greatness lies in the fact that he passed through the age of tradition and experience and presented in his speech the ideas which had not been considered or understood in Urdu poetry before him. They do not study the psychology of others, but reach the level of self-knowledge by delving into the depths of their own nature. The poetry of Ghalib is a collection of colorful ideas. There are countless songs in his instrument and every song is heartwarming. His idolatry is the essence of his self-knowledge and is a great tradition of our poetry.

حقیقت اور صداقت کا جذبہ سب سے پہلے ایک معصوم ذہن میں پیدا ہوا۔ ایک ننھے سے بچے نے حیرت اور مسرت کے ساتھ اس فضائے بسیط کا جائزہ لیا۔ جگمگاتے ہوئے ستاروں کو، اس کے بعد اس سے روشن چاند کو، اور پھر ان سب سے روشن سورج کو اپنا رب کہہ کر پکارا لیکن اس بچے کی مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ سب یکے بعد دیگرے اپنے معمول کے مطابق آسمان کی پنہائیوں میں ڈوب گئے۔ بچے نے کچھ عرصہ تامل کیا۔ اپنے اباؤ اجداد کے معبد میں داخل ہوا اور ان سارے بتوں کو توڑ ڈالا جن کی پوجا اس کے قبیلہ کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اس بچے کے ذہن میں حقیقت کا جو تصور تھا اس میں جمال بھی تھا اور ابدیت بھی۔ یہ آذر بت تراش کے بیٹے ابراہیم تھے جنہوں نے شعور اور ادراک کی منزلوں کو طے کر کے پیغمبری کا درجہ حاصل کیا۔ یہی شعور اور ادراک یہی جرات رندانہ جس نے حضرت ابراہیم کو پیغمبر بنایا ادیب اور شاعر کی ذات میں بھی شامل ہوتی ہے۔ شاعری پیغمبری کا ایک جزو ہے۔ شاعر کی زندگی فکر و نظر کی زندگی ہوتی ہے وہ مرغ قبلہ نما کی طرح تڑپتا ہے اور احساس رکھتا ہے۔ اسے حقیقت اور صداقت کی تلاش ہوتی ہے۔ حقیقت کے چہرے کی نقاب کشائی اس کا مقصد حیات ہوتا ہے۔ وہ ردو قبول کے درجے سے گزر کر ہی ایسا ادب پیش کر سکتا ہے۔ جس میں جمال اور ادب کا پرتو موجود ہو وہ پرانے بتوں کو توڑتا بھی ہے اور ساتھ ہی نئے بت تراشتا بھی جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاعری کیا ہے اور شاعری اور انسان کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ ارسطو نے شاعری کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تخیل کے ذریعے فطرت کے امکانات کی از سر نو تعمیر کرتی ہے۔ اور اس طرح داخلی طور پر انسان کو بدلنے میں مدد دیتی ہے۔

فلسفیوں کا کام ادیب یا شعر کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ جو اپنے ادب کے ذریعہ انسان کے جذبات کو منظم کر کے نئے سانچے میں ڈھالتا ہے۔

اس نظریہ کے تحت جب ہم اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نگاہیں ایک ایسے شاعر پر آکر رک جاتی ہیں جو غیر معمولی اور پر جوش کیفیتوں کا دلدادہ ہے۔ جس کی شاعری عظمت اور مسرت کی متلاشی ہے۔ جس کے یہاں طربنائے حیات کا عنصر غالب ہے۔

یہ صاحب نظر انسان غالب کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ جو اپنے دور کا سب سے بڑا بت شکن ہے۔ جس نے اپنی فنی زندگی کے کم و بیش پچاس ساٹھ سال غور و فکر، تلاش، تجربے اور ردو قبول میں بسر کیے۔ زندگی اور فکر کے نئے رجحانات بیان کی نئی گنجائش، خیالات کی بلندی، آنے والے عہد کا مزاج ان سب کا رنگ غالب کے کلام میں نظر آتا ہے۔ غالب زندگی کا شاعر ہے۔ اس کے یہاں جوش نشاط اور تمنائے نشاط دونوں موجود ہیں۔ اس کے نزدیک غم کی تباہ کاریوں کے باطن میں بھی نشاط کی کیفیت ملتی ہے۔ وہ زندگی کی بھیانک۔ غم آلود، اور تیرہ و تار فضا کو دیکھ کر آنکھیں بند نہیں کر تا بلکہ اس تاریکی میں باغ تمنائے نشاط سے کچھ روشنی محسوس کر لیتا ہے۔ اس طرح اس نے نہ صرف زندگی کی سخت سے سخت مشکلوں کو اپنے اوپر آسان کر لیا بلکہ غم کا ایک فلسفہ بھی معلوم کر لیا۔ وہ غم کو انسانی تربیت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اس سے مشاہدے اور فکر میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

(1)

غالب کی عظمت صرف انہیں خیالات کی بنا پر نہیں بلکہ اس بحر کی تہہ سے ایسے نایاب موتی بر آمد ہوئے ہیں جن سے ایک طرف اردو شاعری کا دامن مالا مال ہوا۔ تو دوسری طرف غالب کو بھی ابدیت حاصل ہوئی ۔غالب کی بڑائی اس بات میں ہے کہ اس نے روایت اور تجربے کے دور سے گزر کر اپنے کلام میں ان خیالات کو پیش کیا جن پر اس سے پہلے اردو شاعری میں نہ غور کیا گیا نہ سمجھا گیا۔ ان باتوں کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں غالب سے پہلے اور غالب کے بعد کے دور کی خصوصیات کا جائزہ لینا ہو گا۔ کسی عصر کی خصوصیات کے یہ معنی ہیں کہ اس عصر کے فنکاروں کی اکثریت اپنے بیشتر کارناموں میں ان خصوصیات کی حامل ہے جن کو اس عہد کے میلانات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

چنانچہ غالب سے قبل کے دور میں نمائندہ شاعر میر ہیں جن کے کلام میں درد مندی کے ساتھ وسعت بھی ہے اور گہرائی بھی۔ میر کا اصل موضوع نہ عشق ہے نہ انسانی درد مندی بلکہ بحیثیت مجموعی مغل تہذیب کے زوال کا غم میر کا موضوع رہا ہے۔ ایک بڑا شاعر اپنے ماضی، حال اور مستقبل سب کا دکھ سمیٹ لیتا ہے۔ اس لیے اس کے غم میں اس کا اپنا عہد موجود ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی انسانی تاریخ کی روایت بھی ہوتی ہے۔ میر کے یہاں معاشرے میں قدروں کے مٹ جانے اور نہ ہونے کا غم ملتا ہے۔ جوان کے زمانے کی سب سے بڑی قدر بن گیا ہے۔ جب قدرین نہیں ہوتیں اس وقت بھی ذہن میں کوئی نصب العین یا آدرش ہوتا ہے جسے میاں محمد شریف نے "عینی قدر" کہا ہے۔ جو کسی "واقعی ناقدر" سے متصادم ہو جاتی ہے۔ قدروں کے حصول کے سلسلہ میں غم اس وقت تک سب سے بڑی قدر ہے جب تک آدمی کوئی ایسا معاشرہ نہ بنالے جہاں انسان کو مسرت نصیب ہو۔ مسرت کے حصول کی تگ و دو میں مسرت کے نہ ملنے کی صورت میں جو متاع ہاتھ آتی ہے اسے غم کہا جاتا ہے اسی لیے غم شاعری اور زندگی دونوں کی سب بڑی قدر ہے۔ یہ آدمی کی بھی پہچان ہے اور شاعری کی بھی۔ میرؔ کا غم اس لیے بڑا ہے کہ اس میں آدمی کی پہچان شامل ہے۔ اور ساتھ ہی یہ زندگی کے ادراک کا ایک بہانہ ہے۔ میر کے یہاں غم کا کوئی فلسفہ نہیں بلکہ غم زندگی اور زندگی کی کشمکش سے ابھرتا ہے۔ ان کا کردار سادہ اور معصوم ہونے کے ساتھ معاشرے کے رجحانات اور تہذیب کے خدوخال بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لیے جب ان کے یہاں کوئی غم نمایاں ہوتا ہے تو وہ ایک عہد کا غم بن جاتا ہے۔ البتہ میر کے یہاں جو کمی ہے وہ نئی زندگی کی تلاش کی ہے۔ اپنے کردار کو انہیں نے معاشرے سے اوپر اٹھالیا تھا۔ لیکن زندگی کے نئے خواب ان کی شاعری میں نہیں تھے۔ اور نہ اس کے غم تھے۔ زندگی کے نئے خواب اور پرانے غموں کے ساتھ ساتھ نئے غموں کی آگہی میں غالب کی شاعری میں تلاش کرنا چاہئے۔ غالب کے یہاں بھی میرؔ کی طرح غم کی آگہی ملتی ہے۔ مگر ایک چیز اس کو میرؔ سے الگ کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اسی نے بدلتی ہوئی دنیا کا خیر مقدم کیا ہے۔ وہ اپنا غم سمیٹ کر بیٹھ نہیں رہا بلکہ ان خوابوں کی پرورش کرتا رہا جن سے ہمارا مستقبل عبارت تھا۔ وہ ذہنی طور پر اتنا بلند ہے اور اس میں اتنا گہرا اعتماد ہے کہ خود اس اعتماد اور ذہن کی بلندی سے ایک نیا معاشرہ آباد کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آدمی نے ہمیشہ اعتماد اور ذہن کی بلندی ہی کو تلاش کیا ہے۔ اسی لیے ہمارے معاشرے میں غالب اس موڑ کا شاعر ہے جس کے ایک طرف مغل تہذیب کا زوال ہے اور دوسری طرف سائنسی عہد کا آغاز ہے اس سائنسی اور فکری نظام کو جو انگریزوں کے توسط سے ہندوستان میں آیا تھا۔ حالی اور سرسید نے جس تہذیب کی طرف اپنا قدم بڑھایا غالب نے اس تہذیب کا خیر مقدم کیا۔ اور زندگی کا رشتہ ادب سے جوڑ دیا۔ اور اس طرح غالب نے آئندہ آنے والے وانقلابی میلانات کو گہرے طور پر متاثر کیا۔

میرؔ کے یہاں مغل تہذیب کے زوال کا غم ہے اس کی باہر کی دنیا میں فتنے تھے۔ اس لیے انہیں اپنی ذات میں سمٹ جانا پڑا۔ ان کے یہاں گہرائی ہے مگر پھیلاؤ نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں غالب نے نئی دنیا کا خیر مقدم کیا۔ بدلتے ہوئے حالات پر نظر رکھی اور اسے اپنی فکر کا جزو بنایا۔ اسی لیے کہا ہے

ع چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

(2)

اور یہی بنیاد ہے بت شکنی کی۔ کیونکہ جو آدمی متضاد حالات سے گزرتا ہو از زندگی کی وحدت کو بھی سمیٹنا چاہتا ہو اس کی کثرت کو بھی تو ظاہر ہے کہ وہ روایت پرستی اور اوہام پرستی پر ضرب بھی لگاتا جائے گا اور نئے نئے بت بھی تراشتا رہے گا۔ جن میں زندگی کا نیا جمال ہو گا۔ زندگی کے اسی جمال نے غالب کو ابدیت بخشی۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ غالب سے پہلے کی شاعری منفی نقطہ منظر رکھتی ہے۔ لیکن ایسا کہنے والے در حقیقت لفظ منفی کو اس کے صحیح مفہوم کے ساتھ نہیں برتتے۔ ہمارے یہاں منفی شاعری صرف فانی نے کی ہے۔ میر جن کو یاسیات کا امام کہا جاتا ہے غم کی شدید آگہی کے باوجود منفی شاعری نہیں پیش کرتے۔ ان کے کلام میں بھی مثبت پہلو نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ منفی کے معنی پست شاعری کے نہیں ہیں بڑی شاعری کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ اس میں داخلیت اور خارجیت کا تناسب ہو یعنی جتنی گہری کیفیت ہو اتنی ہی اعلیٰ پایہ کی مصوری اور محاکات ہو۔ لہٰذا فانی کی شاعری فن اور ضبط کے اعتبار سے ایک خاص معیار رکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں لکھنوی رنگ کی شاعری کا ایک بڑا حصہ پست درجہ کا ہے لیکن شاعری بھی پست منفی نقطہ نظر نہیں رکھتی۔ وہ شاعری کثیف سہی پست سہی لیکن زندگی کا خیر مقدم کرتی ہے۔

اٹھارویں صدی کے وسط سے حالات بدلنا شروع ہو گئے۔ ایک بیرونی قوم کے غلبہ کی ابتداء ہوئی۔ ان بدلتے ہوئے حالات نے زندگی سے دوری پیدا کر دی اور عشق کا غیر ارضی تصور پیدا کر دیا۔ جس سے ایک طرف صوفیانہ شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ عشق اور اس سے متعلق علامتیں ماورائیت کے اظہار کے لیے استعمال ہوئیں۔ اس طرح تصوف کی شاعری کے زیر اثر عشقیہ شاعری میں ایمائیت کا اضافہ ہوا۔ اور دوسری طرف افلاطونی نظریہ عشق پیدا ہوا۔ افلاطونی نظریہ عشق سے مراد ہجر کی شاعری نہیں ہے بلکہ جب وصل کی خواہش کو ترک کیا جائے تب افلاطونی نظریہ پیدا ہوتا ہے ان بدلتے ہوئے حالات کے تحت ملک میں امن وامان تو بحال ہوا لیکن ساتھ ہی پرانے نظام حکومت میں ابتری اقتصادی کش مکش اور محرومیوں کا احساس بھی بیدار ہوا۔ جس کے نتیجہ میں غالب نے جس دور میں سانس لی وہ کشمکش اور تشدد کا دور ثابت ہوا۔ غالب اپنے عہد کی اس کشمکش کا آئینہ دار رہا۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ وہ ذاتی میلانات کی رو سے بھی اسی کشمکش میں گرفتار تھا۔ اس کی ذات میں بھی تصادم کے آثار تھے۔ غالب اشیاء کو بناتا ۔بگاڑتا ہوا گزرتا ہے۔ اسے وہ فرہاد پسند نہیں ہے جو سر پر تیشہ مار کر شیریں کی نظر میں سرخرو ہونا چاہتا ہے۔ غالب اسے رسم ورواج کی پابندی کہتا ہے جو اسے منظور نہیں یہ خیال نازک بھی ہے اور اس میں غالب کی بت شکنی اور کج کلہی کی ادا بھی ملتی ہے۔ وہ جب کہتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے

(3)

تو عام راستے سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نئی راہ کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔ غالب کی شخصیت اور شاعری کے پس منظر میں یاس فرار اور گریز کے ساتھ رجائیت اور نشاط عمل کے جلوے ملتے ہیں۔ یہی متضاد میلانات اس متذبذب ماحول میں زندگی کی ہم آہنگی کے سبب اس کے فن میں ڈھل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

غالب کو اس دور کی انقلابی تبدیلیوں کا نمائندہ بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں حالات کو بدلنے اور قاعدہ آسمان کو متقلب کر دینے کی ایک خواہش ملتی ہے۔ ویسے وہ ایک تذبذب کے عالم میں نظر آتا ہے۔ یعنی ہر چند کہ اس کے اندر جنگ کا جوش واضح نہیں ہے پھر بھی وہ اس دنیا اور اس سماج میں رہ کر تمنائے رنگ و بو کو کامیاب بنانا چاہتا ہے۔ غالب کے ذہن اور ادراک تخیل اور جذبے، حواس اور احساس سے پسپائی آشکارا نہیں ہوتی۔ وہ زندگی کو چھونا، دیکھنا، برتنا اور سمجھنا چاہتا ہے۔ وہ قدم قدم پر نئے تجربوں سے اور ان کی پیچیدگی سے اپنی شخصیت میں گہرائی اور فن میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کہتا ہے۔

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسبان کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

(4)

تو منفی رجحان کو بیان نہیں کرتا بلکہ حسرت تعمیر کی جھلک پیدا کر دیتا ہے یہاں زندگی سے بیزاری نہیں بلکہ معاشرے کی خواب حالت سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ زندگی کو بھی قید و مصیبت قرار دیتا ہے۔ اور کبھی بازیچہ اطفال سمجھتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ زندگی نہ محض باطل ہے۔ نہ محض لہو و لعب۔ غالب اپنے ماحول سے مطمئن نہیں۔ غالب ہی کیا اپنے حال سے کوئی شاعر مطمئن نہیں ہوتا۔ لیکن بڑا شاعر حال اور مستقبل کو ملا کر وسیع تر پیمانے پر قدروں کے ایک بڑے نظام کو دریافت کر سکتا ہے۔ یا اپنے خوابوں میں زندگی کی زیادہ سے زیادہ حقیقتوں کا درک سمو لیتا ہے۔ غالب اپنے ذہنی سفر کے اس تمام عرصہ میں اسی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے۔ وہ کبھی اس ماحول سے تنگ آکر اسے چھوڑنا چاہتا ہے۔ کبھی وہ ہی ٹھہر کر انتظار کرتا ہے اور کبھی مقابلہ کی رگ پھڑکتی ہے اور وہ دعوت عمل دیتا نظر آتا ہے۔

غالب کی تمناؤں میں جان ہے۔ اور اس کے حوصلے بلند ہیں۔ یہ رنگ سب سے پہلے غالب ہی کے یہاں نظر آتا ہے کہ وہ نامناسب حالات میں گھبراتا نہیں بلکہ اپنے اندر مزید حوصلہ پیدا کر لیتا ہے آرزوؤں کا ایک بحر ذخار ہے جو غالب کی ذات میں ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوتا ہے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

(5)

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

(6)

غالب کے بعد آنے والے دور کے نمائندہ شاعر اقبال کا یہ شعر جب نظر کے سامنے آتا ہے۔

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

(7)

تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اقبال کا نہیں غالب کا ذہن کام کر رہا ہے۔ اقبال اسی خیال کو پیش کر رہے ہیں جسے ان سے پہلے ایک ایسے شاعر نے پیش کر دیا تھا جسے اس کے دور میں سمجھنے کی کوشش ہی کی گئی۔ اس دور میں یہ خیال قبل از وقت تھا۔ اس لطیف اور بلند خیال کو سمجھنے کے لیے جس باریک بینی اور بلند نگہی کی ضرورت تھی وہ آہستہ آہستہ پیدا ہوئی آج یہ دیکھ کر کہ نئی زندگی اور نئے تصورات و خیالات کا خیر مقدم کرنے والا غالب کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا اس کا مرتبہ کہیں زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔ غالب سیمابی کیفیت کا مالک ہے۔ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی آواز اسے بیقرار رکھتی ہے۔ اسی بیقراری میں اس کے نزدیک قرار پوشیدہ ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت بے دلی اور یکسانیت کی دیوار کو توڑا جاسکتا ہے۔ یہ بیقراری اسے رد و قبول کے دور میں داخل کر کے ایک بڑا بت شکن بنا دیتی ہے اور اسی بت شکنی میں اس کی بڑائی کا راز مضمر ہے۔ کیونکہ جس شاعر میں جس حد تک بدلتی ہوئی قدروں سے ہم آہنگ ہونے اور زندگی کی فکر کے ساتھ ساتھ عمل اختیار کرنے کی صلاحیت ہوگی اسی حد تک وہ اپنے عہد کے نامیاتی صداقت کا اظہار کرے گا۔ اور اس سلسلہ میں وہ جب رد و قبول سے گزرے گا تو یہی سفر اس کی بت شکنی کا گواہ ہوگا۔

غالب ایک غیور اور خوددار انسان ہے۔ اور انسانیت کی انا کو بیدار کرنا اور عزت نفس کو زندہ رکھنا اس کا مسلک ہے اردو شاعری کی تاریخ میں غالب پہلا شاعر ہے جس پر خودی کا مفہوم واضح ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس کی خودی میں آہوئے رمیدہ کی وحشت پائی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں اقبال کی خودی زیادہ واضح اور متمدن ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقبال کی خودی کا دھارا اسی سرچشمہ سے پھوٹا ہے۔ غالب کی شاعری موجودہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

نسل کوایک آئیڈیل عطا کرتی ہے۔ جس سے نہ صرف انسانی انا بیدار ہوتی ہے بلکہ سماجی زندگی کے ارتقائی قانون کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور مشکلات پر قابو پانے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے غالب کی شاعری زخمی زندگی کی بجائے توانا آرزوں کا اعلان کرتی ہے۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ وخود بیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وانہ ہوا

(8)

غالب کے نزدیک فنکار کو ہر رنگ میں ڈوب کر زندگی کا تماشا کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی کے جاندار مرقعے تیار نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ اپنی ساٹھ سال کی ذہنی اور علمی زندگی میں غالب نے متعدد و تجربات حاصل کئے روایات اور اقدار کے پرانے بتوں کو توڑ کر اس حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہا جو جمال اور ابدیت کی حامل ہو۔ نظام اقدار سے ہٹنا انسانوں کے لیے مشکل کام ہوتا ہے۔ شاعر یہاں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ رسوائیاں مول لے کر بدلتی ہوئی زندگی کا ساتھ دیتا ہے اور نظام اقدار میں تبدیل لاتا ہے۔ یا نئے اقدار کو دریافت کرتا ہے۔ ہمارے یہاں یہ کام غالب نے بڑے پیمانے پر کیا ہے۔ غالب کی شاعری میں اس کا آئیڈل جھلکتا ہے وہ بظاہر خود سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور اپنے ہی متعلق گفتگو کرتا ہے لیکن حقیقتاً اس کا مخاطب انسان ہوتا ہے۔ اس کی ذات میں ایک معاشرہ آباد ہے۔ وہ ایک طرف اپنے معاشرے میں شامل ہے۔ اور دوسری طرف پورے معاشرے کو اپنی ذات میں شامل کر لیتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص آئیڈل کی وضاحت مختلف انداز سے کرتا ہے۔ الفاظ، تشبیہات اور استعارات کی حد تک وہ مغل تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے لیکن معنی اور خیال کے اعتبار سے وہ اپنے دور سے بہت آگے ہے۔ آنے والی تہذیب کے خدوخال کو مروجہ الفاظ اور استعارات کا سہارا لے کر اپنی شاعری میں اجاگر کر دیا ہے۔ اس کی شاعری میں مستقبل اور مغل تہذیب کے درمیان جو رشتہ ہے وہ نظر آتا ہے۔ غالب کی شاعری میں جو تہذیب ملتی ہے۔ اسے ماضی کی بجائے مستقبل میں تلاش کرنا چاہئے۔ ہر بڑا شاعر تہذیب سے ماوراانسان کا ایک بہت بڑا تصور رکھتا ہے جس میں ماضی، حال اور مستقبل میں پھیلا ہوا زمانہ سمٹ جاتا ہے۔ انجم عظمی اس حوالے فرماتے ہیں:

"دنیا کی ہر بڑی شاعری ایک واضح نصیب العین رکھتی ہے اور دنیا کا ہر بڑا شاعر اپنی ثقافت میں ایک بڑے انسانی نصب العین کو جگہ دیتا ہے۔ غالب نے مغل تہذیب کے حصار کو توڑ کر اس میں ایک اعظیم الشان نصیب العین کو جگہ دی، جس سے ایک طرف اس کی شاعری میں وسعت نظر اور گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ دوسری طرف مغل تہذیب کو ادمی کا اتنا بڑا تصور بخش دیا۔ جس نے اس تہذیب کو دنیا کی بڑی تہذیبوں کا حریف بنا دیا"۔

(9)

اسی لیے کوئی شاعر صرف تہذیب کی حدوں میں بند ہو کر نہیں لکھتا۔ بلکہ حروف تازہ کی تخلیق میں تہذیب پھیلتی اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے کسی شاعر کا کلام صرف سماجی ماحول ہی میں نہیں دیکھنا چائے۔ بلکہ کبھی کبھی سماجی ماحول اور تہذیب کے پھیلنے بڑھنے کا اندازہ شاعر کے کلام سے لگانا چاہئے۔ کیونکہ انسانی قدریں جب سماجی قدروں سے ہم آہنگ ہوتی ہیں تو ان سے ہوتی ہیں تو ان سے استعارہ پیدا ہوتا ہے۔ یعنی جمالیاتی قدریں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیں غالب کے استعاروں میں مغل تہذیب کے خدوخال ملتے ہیں۔ لیکن پوری تہذیب یا غالب کا پوراخواب اپنی تعبیر کے لیے ہمیں اپنے مستقبل میں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی کو ادبی اور تہذیبی روایات کا نام دیا جاتا ہے اور اسی لئے اس کی بنیاد بت شکنی ہے جو حرف تازہ کی تخلیق کے وقت پرانی قدروں کے لئے ضرب خلیل کا استعمال کرتی ہے اور تجربے میں روایت کو تازہ رکھتی ہے۔ خود غالب کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ ان کے خیالات اس دور سے آگے ہیں اسی لئے انہوں نے اپنے لئے عندلیب گلشن ناآفریدہ کی ترکیب استعمال کی ہے نئی تہذیب اور معاشرے کو وجود میں لانے کی شدید خواہش اسے اندیشے سے بے نیاز کر دیتی ہے اور ساتھ ہی مخالف قوتوں سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کر دیتی ہے۔

غرض یہ عندلیب گلشن ناآفریدہ جب گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج ہوتا ہے تو کتنے ہی دلوں کے آبگینے پگھل جاتے ہیں غالب سے پہلے بھی انسان اور اس کے غم کا واضح تصور موجود تھا، خصوصا میر کے یہاں، لیکن غالب پہلا اردو شاعر ہے جس نے تصوف کے رنگ سے الگ ہو کر اور رنگ و نسل کے امتیازات کو ہٹا کر براہ راست انسانیت کا درس دیا۔ وہ ساری زندگی یہی کہتا رہا کہ ساری انسانیت میری برادری ہے۔ میرا کوئی مذہب نہیں سب ایک ہی حقیقت کے مختلف جلوے ہیں۔ غالب نے ایمان کو اس کی مطلق شکل میں قبول کیا، کیونکہ اس کے نزدیک ملتوں کا تفرقہ مٹا کر ہی توحید کا تصور قائم کیا جاسکتا ہے۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

(10)

یہ وحدت انہوں نے زندگی میں تلاش کی ہے۔ کسی مابعد الطبیہ عاتی تصور سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ان کا موضوع گاہے گاہے تصوف بھی بنتا ہے۔ لیکن صرف اس لیے کہ وہ جمال کے دلدادہ تھے۔ اور صوفیا کے نزدیک خدا کا تصور حسن کامل سے عبارت تھا۔ ورنہ ان کے دل میں انسان کے لئے احترام اور محبت کا وہ جذبہ تھا جس کے سبب وہ خواہش کرتے تھے کہ:

"اگر تمام عالم میں نہ ہو سکے نہ سہی جس شہر میں رہوں اس شہر میں تو بھوکا ننگا نظر نہ آئے"۔

(11)

انسان کا غم تو ان کا غم ہے۔ ننھی سی چیونٹی کا دکھ بھی ان کے لئے ناقابل برداشت بن جاتا ہے۔

بود گرچہ بر تر از افلاکیاں
ولے لرزد از نالہ خاکیاں
دل بے نوائے گر آید بہ درد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

نشینہ بداں پایہ پاک گرد
صدائے شکست کمر گاہ مور
دریں جاست، ہیچ ودراں پردہ شور

(12)

یعنی دھرتی کے باسیوں کی فریاد سے عرش لرز جاتا ہے۔ مفلس کی دکھ بھری سدا سے عرش کا پایہ غبار آلود ہو جاتا ہے۔ چیونٹی کی کمر ٹوٹے تو ہم پروا بھی نہیں کرتے مگر عرش پر آہ بکار کا شور ہوتا ہے۔ ایسے دل گداز پر اثر پر محبت، جذبات کا اظہار غالب سے پہلے کسی اردو شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا۔

غالب جانگداز ی اور رنگیں نوائی کو فن کا اصل اصول قرار دیتا ہے۔ اس لیے دیدہ دانش کو اپنا سرمایہ حیات بنایا اور عقل کے گوہر شب چراغ سے زندگی کے حقائق کو دیکھا، انہوں نے شعر کا رخ زندگی کی حقیقتوں کی طرف پھیر دیا اور اپنے اشعار کو ساز حقیقت کی نوا اور حقائق و معارف کا آئینہ بنا دیا۔ غالب کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ اور یہی سلیقہ وہ دوسروں کو بھی سکھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ

ز من جوئی دربد نکو زیستن
جگر خوردن و تازہ روزیستن
درشتی بہ نرمی زبوں داشتن
رسد گر ستم غمزہ پنداشتن
بجز از دروں سوجگر سوختن
بہ ناز از بروں رخ افروختن
بدریوزہ گنجینہ اندوختن
بہ بازیچہ دانائی آموختن
شگفتن ز داغے کہ بر دل بود
نہفتن شرارے کہ در دل بود

(13)

یعنی مجھ سے پوچھو کہ برے حالات میں میں زندگی کیوں کر گزاری جائے۔ اپنا جگر کھا کر خوش و خرم عمر کیسے گزاری جائے۔ نرمی سے زندگی کی سختیوں کے دانت کھٹے کر دینا اور ہر آنے والی مصیبت کو شرارت سمجھ کر چپ رہنا مجھ کو آتا ہے۔ سینہ کے اندر سے عاجزی کے ساتھ دھواں اٹھے اور باہر سے فخر کے ساتھ رونق نظر آئے۔ دوسروں کے علم اور عقل سے ایک خزانہ اکٹھا کیا جائے۔ اور کھیل کھیل میں عقل کی باتیں دوسروں کی سکھائی جائیں۔ دل پر جو داغ لگیں ان پر مسکرا دینا اور اندر جو چنگاریاں سلگ رہی ہیں انہیں اپنے وجود میں چھپا لینا مجھے آتا ہے۔ یہ عزم یہ حوصلہ زندگی گزارنے کا یہ ڈھنگ اردو زبان کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا۔ محبت ان کا مذہب ہے اور وفاداری اصل ایمان

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

(14)

وفا کا یہ تصور دراصل آزادی کے گہرے شعور سے پیدا ہوا ہے۔ رسوم روایات کی پابندیاں ان کے لئے ناقابل قبول ہیں۔ ایک جگہ اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

"میں ایک نیم مسلمان کہ رواج اور مذہب کی پابندیوں سے بھی آزاد ہوں اور اپنی رسوائی کے غم سے بھی رہا"

(15)

آزادی کا یہ واضح تصور غالب کی نظم و نثر کا طرہ امتیاز ہے۔ اسی نے ان کے اندر رندی اور بت شکنی پیدا کی ایک بڑا بت شکن جانتا ہے کہ کون سی شے ماضی میں قابل قبول ہے۔ اس لئے باقی کو رد کرنے کی اس میں قوت ہوتی ہے۔ یعنی بت شکنی کی بنیاد ہمیشہ گہرا شعور ہے۔ چنانچہ وہ معاشرے پر تنقید کر رہے ہوں یا مذہب پر خیال آرائی یہی گہرا شعور ہر جگہ کار فرمان نظر آتا ہے۔ ان کی خود بینی، خود نمائی اور خود پرستی روش عام سے ہٹ کر چلنا چاہتی ہے۔ چنانچہ عقیدوں کو جوں کا توں قبول کرنے کی بجائے وہ ہر جگہ حیرت اور شک کا اظہار کرتے ہیں۔ حقیقت اشیا کی جستجو میں عقل کو رہنما بناتے ہیں۔ کیونکہ عقل جب انسان کی فکر میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا نام نظر ہے۔ یعنی بصیرت اور جب روزمرہ کے عمل میں گھل مل جانے تو تاثیر پیدا کر لیتی ہے۔

چنانچہ مذہب اور آفرینش عالم کے بارے میں انہوں نے جن نظریات کا اظہار کیا ہے وہ ہمارے مروجہ عقائد سے ہٹے ہوئے ہیں۔ خورشید الاسلام صاحب نے غالب کے مذہبی عقائد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No.1 2022

"غالب مادی دنیا میں خدا کی تلاش کرتے ہیں لیکن اس کی ذات خود کو بھلا نہیں دیتے وہ بنیادی طور پر مادہ پرست ہیں اور اپنے بھرپور اظہار پر ضد کرتے ہیں۔ لیکن اظہار کی خواہش اپنی حقیقت میں غیر فطری نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ خواہش ہے جو ہر انسان کے سینہ میں رہ رہ کر مچلتی ہے۔ ان کی یہ خواہش نہیں ہے کہ ان کو خدا مل جائے۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی دنیا کے کنارے دور تک پھیل جائیں۔ بیدل کی طرح ان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر سمٹ جائیں بلکہ ان کی آرزو یہ ہے کہ انسان اپنے ممکن ذہنی اور روحانی قد و قامت کو پہنچ جائے"

خورشید الاسلام صاحب نے اس نظریہ کا ثبوت غالب کی اس رباعی سے دیا ہے جو انہوں نے بنارس کی تعریف میں لکھی ہے۔ بنارس جو ہندوؤں کا مقدس مذہبی مقام ہے اس کا ذکر وہ جس والہانہ انداز میں کرتے اس سے یہ رباعی ان کے آزاد ذہن کا روشن نشان بن جاتی ہے۔

عبادت خانہ ناقوسیان است
ہمانا کعبہ ہندوستان است
تعال اللہ بنارس چشم بد دور
بہشت خرم و فردوس معمور

(17)

غالب کا ذہنی اور جذباتی تجربہ بہت وسیع تھا۔ ان کی نظر زندگی کے ان حقائق پر بھی پڑتی ہے۔ جہاں دوسرے کا خیال عام طور پر نہیں جاتا وہ بلا کے مردم شناس تھے۔ نہاں خانہ دل کا مطالعہ ان کا خاص مشغلہ تھا۔ وہ دوسروں ہی کی نفسیات کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ خود اپنی فطرت کی گہرائیوں میں اتر کر خود شناسی کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں غرض غالب کی شاعری رنگا رنگ خیالات کا مجموعہ ہے۔ اس ساز میں بیشمار نغمے ہیں اور ہر نغمہ دل آویز ہے۔ اور اس کی بت شکنی اس کی خود شناسی کا جوہر ہے اور ہماری شاعری کی بہت بڑی روایت ہے۔

حوالہ جات

1) مرزا غالب، دیوان غالب از غلام رسول مہر، شیخ غلام علی پبلی شرز، لاہور، ص174
2) ایضاً، صفحہ نمبر174
3) ایضاً، صفحہ نمبر572
4) ایضاً، صفحہ 44
5) رسالہ، افکار، غالب نمبر، مکتبہ افکار، کراچی، 1945، ص123
6) ایضاً، ص123
7) ایضاً، ص123
8) ایضاً، ص123
9) انجم عظیمی، شاعری کی زبان، اشاعت گھر، کراچی، جنوری1979
10) رسالہ، افکار، غالب نمبر، مکتبہ افکار، کراچی، 1945، ص125
11) مرزا غالب، خطوط غالب، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، 1969
12) رسالہ، افکار، غالب نمبر، مکتبہ افکار، کراچی، 1945، ص126
13) ایضاً، ص126
14) مرزا غالب، دیوان غالب از غلام رسول مہر، شیخ غلام علی پبلی شرز، لاہور، ص411
15) مرزا غالب، خطوط غالب، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، 1969
16) خورشید الاسلام، غالب تقلید اور اجتہاد، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، سن، 1979
17) رسالہ، افکار، غالب نمبر، مکتبہ افکار، کراچی، 1945، ص126